بکار گذری ہے!" کے مصداق عمر کے بہتر اور بیشتر حصے کے دوران جسم و جان کی بہتر اور بیشتر توانائیاں نویدِ نبویؐ : "خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ" کے مطابق بہترین کام میں صرف ہوئی ہیں۔ گویا ؏ "شکر صد شکر کہ جمازہ بمنزل رسید!" —— اس کے ساتھ ہی دل میں اس امید کا چراغ بھی روشن ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس کی توفیق عطا فرمائی تو لغزشوں، خطاؤں اور کوتاہیوں سے درگذر فرماتے ہوئے شرفِ قبول بھی ضرور عطا فرمائے گا۔ اور عجیب نویدِ جانفزا کا معاملہ ہے کہ جیسے ہی یہ الفاظ نوکِ قلم سے صفحۂ قرطاس پر مرتسم ہوئے ایک جانب دل کی گہرائیوں سے حدیثِ قدسی کے الفاظ طلوع ہوئے کہ "اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ!" اور دوسری جانب ذہن میں کسی شاعر کا مصرعہ ابھرا ؏ "وَاَرْجُوْہٗ رَجَاءً لَا یَخِیْبُ!" —— ربّنا تقبّل منّا انّک انت السّمیعُ العلیم وتُب علینا انّک انت التّوّاب الرّحیم آمین یا ربّ العٰلمین!!

دعوتِ رجوع الی القرآن کے اہم سنگ ہائے میل

اوپر جو تفاصیل بیان کی گئی ہیں اُن کی رُو سے دعوت و تحریکِ قرآنی کا یہ ساڑھے تئیس سالہ سفر پانچ ادوار میں منقسم قرار پاتا ہے —— لیکن اس کے اہم سنگ ہائے میل کی نشاندہی کے لئے اسے دو بڑے بڑے حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے —— یعنی پہلا اواخر ۶۵ء میں میری انفرادی مساعی کے آغاز سے مارچ ۷۲ء میں انجمن خدّام القرآن کی تأسیس تک، گویا ساڑھے چھ سال پر محیط، —— اور دوسرا قیامِ انجمن کے بعد سے آج تک کے سترہ سالوں پر مشتمل، (اگرچہ گذشتہ دو سالوں کے دوران اصولی اعتبار سے ایک تیسرے دَور کی داغ بیل پڑ چکی ہے، جس کا ذکر بعد میں آئے گا!)۔

ان میں سے پہلا دور طوالت میں بھی کم تھا، اور اس کے دوران صرف ایک حقیر و بے بضاعت فردِ واحد اپنی سی کوشش کر رہا تھا، جبکہ دُوسرا دور طویل تر بھی ہے اور اس

میں ایک انجمن اور ایک تنظیم کی مساعی بھی شامل ہیں لیکن اس دعوت و تحریک کے اہداف کی تعیین اور مزاج کی تشکیل کے اعتبار سے اصل اہمیت پہلے ہی دور کو حاصل ہے، جسے جدید اصطلاح میں اس کا ' FORMATIVE PERIOD ' قرار دیا جا سکتا ہے۔

——— لہٰذا اس دورِ اوّل کے تین اہم سنگ ہائے میل کا ذکر قدرے تفصیل کے ساتھ کیا جا رہا ہے، چونکہ وہ درحقیقت اس تحریک کے سنگ ہائے اساس کی حیثیت رکھتے ہیں، یعنی :

۱۔ مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

۲۔ لاہور کے 'حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن' ——— اور اتوار کی صبح کا مرکزی درس۔

۳۔ 'دارالاشاعت الاسلامیہ' ——— اور سلسلۂ مطبوعات قرآن اکیڈمی۔

۱۔ مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب

راقم نے اپنی اس دعوتِ قرآنی کی اساس 'مطالعۂ قرآنِ حکیم کے ایک منتخب نصاب' کو بنایا تھا، اور واقعہ یہ ہے کہ جو کامیابیاں اُسے حاصل ہوئیں ان کا سب سے بڑا راز اِسی منتخب نصاب میں مضمر ہے۔ اس لئے کہ اُن حضرات سے قطع نظر جنہیں قسمت ابتدا ہی سے عربی مدارس میں پہنچا دیتی ہے اور وہ اسی قدیم مذہبی نظامِ تعلیم سے فراغت حاصل کرتے ہیں اور اس طرح ان کے تو گویا شب و روز قال اللہؒ اور قال الرسولؐ کی فضا ہی میں بسر ہوتے ہیں، سکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے قرآن مجید کا ابتدا سے انتہا تک تسلسل کے ساتھ مطالعہ نہایت کٹھن کام ہے۔ اور اس کے لئے ایک نہایت مضبوط قوتِ ارادی درکار ہے۔ جبکہ یہ منتخب نصاب جو حجم کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ دو پارے کے لگ بھگ یعنی کل قرآن کے پندرھویں حصے کے برابر ہے، ایک نہایت حکیمانہ تدریج اور منطقی ترتیب کے ساتھ نہ صرف یہ کہ، فقہی اور تاریخی مباحث کے سوا، قرآن حکیم کے

جملہ بنیادی مضامین اور تعلیمات کو بخوبی ذہن نشین کر دیتا ہے بلکہ ایک جانب قرآن کے مخصوص اسلوب اور طرزِ بیان، اور دوسری جانب اُس کے فطری منہجِ استدلال (LINE OF ARGUMENT) سے بھی واقفیت ہی نہیں گہری مناسبت عطا کر دیتا ہے ــــــ اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن حکیم کی عظمت کا ایسا نقش دل پر قائم کر دیتا ہے کہ وہ مضبوط قوتِ ارادی خود بخود پیدا ہو جاتی ہے جو پورے قرآن کے مسلسل مطالعے کے لئے ضروری ہے۔

اب سے دس بارہ سال پہلے جب اس منتخب نصاب میں شامل آیات و سُوَرِ قرآنی کو پہلی بار یکجا کتابی صورت میں شائع کیا گیا تو راقم نے اس کا تاریخی پس منظر تفصیلاً بیان کر دیا تھا ــــــ جو درج ذیل ہے:

"آغاز ہی میں یہ بات عرض کر دینی مناسب ہے کہ یہ نصاب راقم کا 'طبعزاد' نہیں ہے بلکہ اس کا اصل ڈھانچہ مولانا امین احسن اصلاحی کا تیار کردہ ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ۵۲-۱۹۵۱ء میں جب راقم الحروف اسلامی جمعیت طلبہ لاہور و پنجاب کا ناظم تھا اُس نے جمعیت کے زیرِ اہتمام طلبہ کے دو تربیتی کیمپ منعقد کئے تھے ایک دسمبر ۱۹۵۱ء میں کرسمس کی تعطیلات میں اور دوسرا ۱۹۵۲ء کی تعطیلاتِ موسم گرما میں ــــــ ان تربیت گاہوں میں قرآن حکیم کا درس مولانا اصلاحی مدظلہ نے دیا تھا اور اس غرض سے انہوں نے ایک نصاب تجویز کیا تھا جو درجِ ذیل ہے:

۱۔ انسان کی انفرادی زندگی کی رہنمائی کے لئے سورۂ لقمان کا دوسرا اور سورۂ فرقان کا آخری رکوع۔

۲۔ عائلی زندگی سے متعلق ــــــ سورۂ تحریم مکمل۔

۳۔ قومی، ملی اور سیاسی زندگی کی رہنمائی کے ذیل میں سورۂ حجرات مکمل۔

۴۔ فریضۂ اقامتِ دین کے ذیل میں سورۂ صف مکمل۔

۵۔ اور تحریک اسلامی سے متعلق مختلف مسائل میں رہنمائی کے ذیل میں سورۂ عنکبوت مکمل۔

راقم کی خوش قسمتی تھی کہ اسے بطور ناظم ان دونوں تربیت گاہوں میں شرکت کا موقع ملا اور یہ مقامات اُس نے دوبار مولانا اصلاحی صاحب سے براہ راست پڑھے اور راقم نے ان مقامات کو اس طرح اخذ کر لیا کہ "بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً" (پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت) کے مصداق انہیں آگے پڑھانے کے لئے بھی کسی قدر اعتماد پیدا ہو گیا۔ چنانچہ زمانہ طالب علمی میں جمعیت کے اجتماعات میں بھی راقم مطالعۂ قرآن کی ذمہ داریاں نبھاتا رہا۔ تعطیلات کے زمانے میں ساہیوال میں ———

جماعتِ اسلامی کے اجتماعات میں بھی ان مقامات کا درس دیتا رہا اور رمضانِ مبارک کے ایک تربیتی پروگرام میں پورا نصاب بھی پڑھایا۔ ۱۹۵۴ء میں ملتان میں منعقدہ جمعیت کی ایک تربیت گاہ میں راقم نے پھر یہ نصاب اسی تدریج کے ساتھ پڑھایا۔ بعد میں جب ساہیوال میں راقم نے ایک "اسلامی ہاسٹل" قائم کیا تو اس میں مقیم طلبہ کو بھی راقم نے اس پورے نصاب کا درس دیا۔ اس کے بعد جب راقم کراچی میں تھا تو وہاں بھی مقبول عام ہاؤسنگ سوسائٹی میں ایک حلقہ قائم کر کے اسی منتخب نصاب کا درس دیا گیا۔

البتہ اس عرصے کے دوران میں وقتاً فوقتاً راقم اس بنیادی نصاب میں اضافے کرتا رہا۔ جن سے اس نصاب کی ایک واضح بنیاد بھی قائم ہو گئی اور مختلف مقامات کے مضامین میں جو فاصلے تھے وہ بھی بہت حد تک پاٹ دیئے گئے۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ بھی خود راقم یا کوئی اور شخص اس میں مفید اضافے کر سکے۔ تاہم اس وقت راقم کا گمان ہے کہ ایک خاص نقطۂ نظر سے قرآن حکیم کا جو انتخاب اس نصاب میں کیا گیا ہے وہ بہت حد تک مکمل بھی ہے اور نہایت مفید بھی۔

آگے چلنے سے پہلے اس "خاص نقطۂ نظر" کی وضاحت بھی ہو جائے تو اچھا ہے۔ وہ نقطۂ نظر یہ ہے کہ ایک مسلمان کے سامنے یہ بات بالکل واضح ہو جائے کہ اُس کے دین کے تقاضے اس سے کیا ہیں اور اُس کا رب اُس سے کیا چاہتا ہے! گویا دین کے تقاضوں اور مطالبوں کا ایک اجمالی لیکن جامع تصور پیش کرنا اس انتخاب

کا اصل مقصود ہے، ویسے ضمناً اس سے خود دین کا ایک جامع تصور بھی آپ سے آپ واضح ہوجاتا ہے اور محدود مذہبی تصورات کی جڑیں خود بخود کٹتی چلی جاتی ہیں۔"

اس نصاب کا نقطۂ آغاز سورۃ العصر ہے اور نقطۂ عروج سورۃ الحدید۔ چنانچہ اس کے حصہ اوّل میں سورۃ العصر کے ساتھ تین مزید جامع اسباق شامل ہیں یعنی حقیقت برّ و تقویٰ کی وضاحت کے لئے سورۃ البقرہ کی آیت ۱۷۷ (آیت البرّ)، حکمت قرآنی کی اساسات اور مقام عزیمت کی تشریح کے لئے سورۂ لقمان کا دوسرا رکوع اور "حظِّ عظیم" کی وضاحت کے لئے سورۂ حٰمٓ السجدہ کی آیت ۳۰ تا ۳۶، اور حصہ آخر (ششم) مشتمل ہے مکمل سورۃ الحدید پر جو اُمتِ مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآن حکیم کی جامع ترین صورت ہے۔

درمیانی چار حصّے سورۃ العصر میں بیان شدہ چار لوازمِ نجات کی تشریح و توضیح پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ حصّہ دوم میں ایمان کی حقیقت و ماہیت اور اس کے اجزاءِ ترکیبی کی وضاحت کے لئے سورۃ الفاتحہ، سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۹۰ تا ۱۹۶، سورۂ نور کا پانچواں رکوع، سورۂ تغابن کامل، اور سورۂ قیامہ کامل شامل ہیں ـــــ اسی طرح حصّۂ سوم میں "عملِ صالح" کی وضاحت کے لئے بندۂ مومن کی انفرادی سیرت کی تعمیر کے اساسی لوازم کے بیان میں سورۂ مومنون کی ابتدائی گیارہ آیات اور سورۂ معارج کی آیات ۱۹ تا ۳۵، مردِ مومن کے اخلاقِ حسنہ اور اوصافِ عالیہ کی تصویر کشی کے لئے سورۃ الفرقان کا آخری رکوع، عائلی زندگی کے خدوخال نمایاں کرنے کے لئے سورۂ تحریم (کامل)، مسلمانوں کی معاشرتی و سماجی زندگی کے اصولوں کی وضاحت کے لئے سورۂ بنی اسرائیل کا تیسرا اور چوتھا رکوع، اور مسلمانوں کی حیاتِ ملّی و سیاسی کے اصولوں کے ضمن میں جامع ترین ہدایت نامہ کے طور پر سورۂ حجرات (مکمل) شامل ہیں۔

"تواصی بالحق" کے ضمن میں "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" اور "دعوت الی اللہ" کا ذکر تو جامع اسباق ۳ و ۴ میں موجود ہے، اسی طرح ایمان حقیقی کی شرط لازم "جہاد فی سبیل اللہ" کا تذکرہ نہایت زوردار انداز میں سورۂ حجرات کی آیت نمبر ۱۵ میں آجاتا ہے ـــــ لہٰذا منتخب نصاب کا حصہ چہارم کُل کا کُل جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی تشریحِ مزید کے لئے وقف ہے۔ چنانچہ اس میں اوّلاً سورۂ حج کا آخری رکوع (جو بجائے خود نہایت ہی جامع مقام ہے) اور سورۂ توبہ

کی آیت ۲۴ اور پھر سورۂ صف، سورۂ جمعہ اور سورۂ منافقون (کامل) شامل ہیں ـــــ اسی طرح "تواصی بالصبر" کی بھی اصل اساسات تو حصہ اوّل میں شامل جامع اسباق میں موجود ہیں، حصہ پنجم میں اوّلین اور اہم ترین حصہ تو مشتمل ہے سورۂ عنکبوت کے پہلے اور آخری تین رکوعوں پر ـــــ اور اُن پر مستزاد ہیں قتال فی سبیل اللہ کے ضمن میں صبر و مصابرت کی تاکید پر مشتمل سورۂ بقرہ کی آیات ۱۵۳ تا ۱۵۷ اور آیت ۲۱۴، سورۂ انفال کا پہلا اور آخری رکوع، سورۂ آلِ عمران کی آیات ۱۲۱ تا ۱۲۹ اور ۱۳۹ تا ۱۴۸، سورۂ احزاب کا دوسرا اور تیسرا رکوع، اور بالآخر سورۂ توبہ کا چھٹا اور ساتواں رکوع۔

اور جیسے کہ عرض کیا جا چکا ہے، آخر میں آتی ہے اُمّ المسبّحات سورۃ الحدید جو ان تمام مباحث کو نہایت جامعیت کے ساتھ ایک بار پھر سامنے لے آتی ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کی عظمت و جامعیت کا جو نقش راقم الحروف کے قلب پر قائم ہے وہ بیان میں نہیں آسکتا۔ مختصر یہ کہ اگر سورۃ العصر کو گلاب کے پودے کے بیج سے تعبیر کیا جائے تو سورۃ الحدید اس پودے کی چوٹی پر کھِلے ہوئے حسین و جمیل پھول کے مانند ہے۔ اب اگر امام شافعیؒ سورۃ العصر کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ "لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هٰذِهِ السُّوْرَةَ لَوَسِعَتْهُمْ" اور "لَوْ لَمْ يُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْآنِ سِوَاهَا لَكَفَتِ النَّاسَ" تو میں نہیں کہہ سکتا کہ سورۃ الحدید کے بارے میں کیا کہا جائے کہ اُس کا حق ادا ہو سکے! راقم کے نزدیک تو یہ معاملہ خالصتہً ع "اے بروں از وہم و قیل و قالِ من!" والا ہے۔ اور یہاں گھٹنے ٹیک دینے ہی میں عافیت ہے!

راقم الحروف کے پاس کوئی ریکارڈ تو ظاہر ہے کہ محفوظ نہیں لیکن وہ یہ بات پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اُس نے اس پورے منتخب نصاب کے درس کی سعادت کم از کم پچاس مرتبہ تو ضرور حاصل کی ہو گی۔ اس لئے کہ لاہور میں جب ۶۸-۱۹۶۷ء میں حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن قائم کئے تو ان سب میں اسی کا درس دیا، پھر مسجد خضراء سمن آباد میں مرکزی درس کا آغاز ہوا تو وہاں بھی دو بار اسی کا درس دیا۔ پھر یہ مرکزی درس مسجد شہداء منتقل ہوا تو وہاں بھی اس کا اعادہ کیا۔ پھر جا بجا قرآنی تربیت گاہیں قائم کیں تو اُن میں بھی ان ہی مقامات کا درس دیا۔ بیرونی ممالک میں جانا ہوا تو وہاں بھی ع "الّا حدیثِ دوست کہ تکرار می کنیم!" کے مصداق اسی کو بیان کیا۔ پھر موقع اور مقام اور سامعین کی ذہنی سطح کے فرق کی مناسبت

سے ان دروس میں طوالت یا اختصار کے اعتبار سے بھی فرق ہوتا رہا اور بیان کی سلاست یا علمی ثقالت کے اعتبار سے بھی۔ چنانچہ اس نصاب میں شامل ہر مقام کے راقم الحروف کے دو دو ڈھائی ڈھائی گھنٹے کے دروس بھی ٹیپ کی ریلوں (SPOOLS) میں محفوظ ہیں اور نہایت مختصر اور آسان دروس کے کیسٹ بھی موجود ہیں ـــــ اور اب کچھ عرصہ سے خود راقم کے اسی منتخب نصاب کے دروس کا سلسلہ بند ہو چکا ہے تو بحمد اللہ کم از کم پندرہ بیس نوجوان ایسے تیار ہو چکے ہیں جو اس کا درس نہایت خوش اسلوبی سے دے رہے ہیں۔ اللہ ان کے عزم اور ارادے کو برقرار رکھے ـــــ اور ان کی صلاحیت اور استعداد میں ترقی عطا فرمائے ! ـــــ یہ تو اللہ تعالےٰ کا خصوصی فضل و کرم ہے کہ ان میں میرے صُلبی بیٹے بھی شامل ہیں، ورنہ میں تو ان سب کو اپنی معنوی اولاد اور صدقۂ جاریہ سمجھتا ہوں ـــــ اور علامہ اقبالؔ کے شعر میں تھوڑے سے تصرف کے ساتھ دست بدعا ہوں کہ ؎

یہ ہیں صدف تو تیرے ہاتھ اِن کے گہر کی آبرو
یہ ہیں خزف تو تو انہیں گوہرِ شاہوار کر!

---

۲ - لاہور کے حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن اور اتوار کی صبح کا

مرکزی درس

لاہور میں راقم نے ' حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن ' کا آغاز جس طرح کیا اس کا مختصر تذ عام قارئین کی دلچسپی اور اس راہ کے "تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل" کے مصداق نئے ساتھیوں کی رہنمائی کے لئے مفید ہو گا۔

۱ - تدریسِ عربی | اسلام پورہ (سابقہ کرشن نگر) کی کوثر روڈ (سابقہ امرت روڈ) پر ایک مکان خرید کر اپنی رہائش اور مطب شروع کرنے کے فوراً

بعد میں سنے آس پاس کی تین مساجد میں نمازیں ادا کرنی شروع کیں اور نمازیوں میں سے نوجوانوں سے میل جول بڑھانا شروع کیا۔ اور چند ہی دنوں میں ان میں سے بعض کو آمادہ کر لیا کہ وہ مجھ سے ابتدائی عربی سیکھنے کے لیے بعد نمازِ عشاء وقت نکالیں۔ پھر ان ہی کے ذریعے ان مساجد یا اُن کے قریب کے مکانوں میں درسِ قرآن کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

اس ضمن میں ایک لطیفہ بھی یاد آیا۔ میرے سمن آباد کے درس کے آغاز کے بعد جب لاہور میں چرچا زیادہ ہوا تو پاکستان ریلوے کے بعض سینئر آفیسروں نے بھی مجھ سے عربی زبان کے ابتدائی قواعد سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ میں نے ہفتے میں تین دن کرشن نگر کے نوجوانوں کے لئے مختص کر دیئے اور تین دن ان حضرات کے لئے۔ میرا تیسرا بیٹا عزیزم عاطف وحید سلمہٗ اُن دنوں دو ڈھائی سال کا تھا اور میرے ہی ساتھ سویا کرتا تھا، نماز عشاء کے بعد اُسے سونے کی جلدی ہوتی تھی اور میں عربی کی کلاس میں مصروف ہوتا تھا، لہٰذا وہ بار بار آ کر دیکھا کرتا تھا کہ 'طالب علم' رخصت ہو گئے یا نہیں ـــــ ایک روز جب اتفاق سے 'بزرگوں' کی باری تھی، اُس نے دو تین چکر لگانے کے بعد بالآخر تنگ آ کر کہا: "اَبّی بچّوں کو چھٹّی دیدیں" اس پر پوری محفل زعفران زار ہو گئی ـــــ اس لئے کہ اُن 'بچّوں' میں ایک شاہ محمد ظفر صاحب تھے جن کی نہ صرف داڑھی بلکہ پوری شکل و شباہت ماشاء اللہ بالکل مولانا احمد علیؒ جیسی تھی، ایک خالد احمد صاحب تھے جو اُس وقت پاکستان ریلوے کے ڈپٹی چیف انجنیئر تھے اور ان کا چہرہ بھی ماشاء اللہ خاصی طویل اور سفید براق داڑھی سے مزیّن تھا۔ اور باقی دو تین حضرات بھی ریلوے کے اعلیٰ افسروں میں سے تھے۔!

۲۔ مرکزی درس لاہور کے حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن میں اوّلین دو حلقے کرشن نگر میں قائم ہوئے، ایک[1] جامع مسجد سرن روڈ میں اور دوسرا عمر روڈ پر واقع زبیری صاحب مرحوم کے مکان پر! پھر جماعتِ اسلامی کے سابقہ تعلق کے اشتراک کی بنیاد

---

[1] جہاں میں نے کئی سال تک رمضان المبارک میں اعتکاف بھی کیا ـــ اور چونکہ سلسلۂ نقشبندیہ کے بزرگ سیّد علاؤ الدین شاہ بھی وہیں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور (باقی اگلے صفحہ پر)

پر تیسرا حلقہ دل محمد روڈ کے علاقے میں مولوی برکت علی صاحب کی بلڈنگ میں قائم ہوا۔ پھر سمن آباد میں درس شروع ہوا جس نے بعد میں لاہور کے مرکزی درس کی حیثیت حاصل کر لی۔

اُس کی تقریب یوں ہوئی کہ میرے پھوپھی زاد بھائی شیخ نصیر احمد صاحب نے اپنے مکان میں کچھ تعمیری تبدیلیاں اور اضافے کیے جس سے ایک کمرہ اتنا بڑا نکل آیا کہ اُس میں ستّر اسّی آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ میں نے جب پہلی مرتبہ اسے دیکھا تو بے اختیار زبان سے "کہ ایں خانہ بایں خوبی آتش کدہ بائیستے!" کے مصداق یہ الفاظ نکل گئے: "یہاں تو قرآن مجید کا درس ہونا چاہیئے۔" میرے پھوپھا شیخ نثار احمد نے جو میرے والد مرحوم کے حقیقی تایا زاد بھائی ہونے کے ناطے میرے تایا بھی تھے میرے الفاظ کو فوراً پکڑ لیا ــــــ کہ "پھر دیر کس بات کی ہے، فوراً شروع کر دو!" ــــ اور اس طرح اتوار کی صبح کا ہفتہ وار درس ۲۱۱۔ این، سمن آباد میں شروع ہو گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ پہلے ایک دو دروس میں تیس پینتیس افراد شریک تھے، پھر یہ تعداد پچاس تک پہنچی، اور چند ماہ کے اندر اندر یہ درس کمرے کی وسعت سے نکل کر باہر لان تک پہنچ گیا جس کے لیے لاؤڈ سپیکر خریدنا پڑا[ا] اور جب بات اس سے بھی آگے بڑھ گئی تو مسجد

(تسلسل) اس کے دوران ان کے مسترشدین کا وہاں اجتماع ہوتا تھا اور وہ سلوک کے مسائل بیان فرمایا کرتے تھے لہٰذا میں بھی براہ راست نہ سہی بالواسطہ مستفید ہوتا رہا۔

[ا] ان سطور کی تحریر کے وقت تک پھوپھی صاحبہ اور پھوپھا صاحب کا بھی انتقال ہو چکا ہے اور نہ صرف یہ کہ پھوپھی زاد بھائی شیخ نصیر احمد بھی انتقال فرما چکے ہیں بلکہ ان کے چھوٹے بھائی شیخ بشیر احمد بھی داغِ مفارقت دے چکے ہیں، جو میرے بہنوئی بھی تھے ــــ لیکن راقم کے شعور اور حافظہ میں ان محبت بھری مجلسوں کی یاد ابھی تک تازہ ہے جو کئی سال تک ۲۱۱۔ این سمن آباد میں ہر جمعہ اور اتوار کو منعقد ہوتی رہیں، اس لیے ہر جمعہ کی نماز اور اتوار کے درس کے بعد مسجد خضرا سے کرشن نگر واپسی کے دوران راستے میں وہاں لازماً ٹھہرنا ہوتا تھا اور پھوپھی صاحبہ اور پھوپھا صاحب کی شفقت بھری تواضع اور بھائی نصیر احمد صاحب کی پُرخلوص مدارات کے ساتھ چائے کا (مع لوازمات) دَور چلتا تھا ــــ اور واضح رہے کہ اس سے 'استفادہ' میں تنہا نہیں (باقی اگلے صفحہ پر)

خضرا ءسمن آباد کی انتظامیہ کے ذمّہ دار حضرات نے جو خود بھی پابندی سے درس میں شریک ہوتے تھے اصرار کیا کہ اس درس کو مسجد میں منتقل کر دیا جائے، میں مساجد کے معاملے میں مخالف تھا کہ وہاں چوہدریوں کے درمیان رسّہ کشی ہوتی ہے، لہٰذا ابتداء میں تو میں نے معذرت کی۔ لیکن بعد میں اس مجبوری کے باعث اُن کی دعوت قبول کر لی کہ شُرکاء درس اب کسی طور مکان میں نہ سما سکتے تھے اور اس طرح آٹھ دس سال کے لئے مسجد خضرا ءسمن آباد اس دعوت و تحریکِ قرآنی کا مرکز بن گئی۔

مسجد خضرا ءسمن آباد کے اتوار کی صبح کے اس ہفتہ وار درسِ قرآن کی شہرت بہت جلد پورے لاہور میں اور پھر اس سے باہر دور دور تک پہنچ گئی چنانچہ اس میں لاہور کے کونے کونے ہی سے نہیں، بیرونِ لاہور سے باضابطہ شدِ رحال کر کے بھی لوگ شرکت کے لئے آتے تھے۔ لہٰذا بہت جلد اس کی حاضری دو ڈھائی سو، اور پھر تین ساڑھے تین صد تک پہنچ گئی جو بعض خاص خاص مواقع پر پانچ سو تک بھی ہو جاتی تھی[ل] ——— پھر یہ درس اوسطاً ڈھائی گھنٹے پر محیط

تسلسل) کرتا تھا بلکہ ان دونوں مواقع پر میرے کُل اہل وعیال بھی ساتھ ہوتے تھے۔ اس لئے کہ میں اپنے بیٹوں کو تو دوسرے تمام دروسِ قرآن میں بھی ساتھ لے جاتا تھا، جمعہ کے اجتماع اور اتوار کے درس میں تو میری اہلیہ اور بچیاں بھی لازماً شریک ہوتی تھیں۔ (جس کا اسی دنیا میں نقد صلہ مجھے یہ ملا ہے کہ میرے کُل اہلُ عیال بحمداللہ میرے مشن میں میرے ساتھ شریک ہیں) بہرحال پھوپھا صاحب مرحوم، پھوپھی صاحبہ مرحومہ اور بھائی نصیر احمد و بشیر احمد مرحوم کا حق اس دعوت و تحریکِ قرآنی کے جملہ وابستگان اور استفادہ کنندگان (BENEFICIARIES) پر یہ ہے کہ وہ اُن کے حق میں دعائے مغفرت کرتے رہا کریں!

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَاَدْخِلْهُمْ فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْهُمْ حِسَابًا یَّسِیْرًا (آمین)

اور جب حق کی ادائیگی کا معاملہ زیرِبحث آ ہی گیا ہے تو یقیناً حق تلفی ہوگی اگر یہ ذکر نہ ہو جائے کہ جب تک میرے پاس اپنی گاڑی نہ تھی، میاں محمد رشید صاحب رسول پارک اچھرہ سے اپنی گاڑی پر کرشن نگر جاتے تھے اور ہم سب کو لے کر سمن آباد آتے تھے ——— اور پھر واپس بھی پہنچایا کرتے تھے ——— فَجَزَاهُ اللّٰهُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

ل (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوتا تھا۔ اور الحمدللہ کہ اس میں سے کسی شخص کو کبھی اٹھتے نہیں دیکھا گیا۔ اس طرح لاہور کی دینی فضا میں یہ درس ایک دھماکے سے کسی طرح کم نہ تھا۔ جس سے ایک خوشگوار حیرت کا تأثر پورے لاہور اور اُس کے گرد و نواح پر طاری ہوگیا کہ ؎

"ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی!"

۲۔ خطباتِ جمعہ مسجدِ خضراء کے خدّام اور منتظمین کا تعاون بھی اس پورے عرصے کے دوران نہایت مثالی رہا۔ انہیں اس پر خوشی بھی تھی کہ اُن کی مسجد پورے لاہور کی توجہات کا مرکز بن گئی ہے تھوڑے ہی عرصے کے بعد اُن حضرات کی طرف سے اصرار ہوا کہ جمعہ میں خطاب بھی آپ ہی فرمائیں۔ چنانچہ ابتداءً خطبۂ مسنونہ سے قبل خطاب ــــــ اور اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد باضابطہ خطیبِ مسجد کی ذمہ داری بھی میرے کندھوں پر آگئی ــــــ اور میں نے اس خطبۂ جمعہ کو بھی اکثر و بیشتر درس قرآن کی صورت ہی دی، چنانچہ خود مجھے بھی اپنے ذاتی سرور اور کیف کا عالم یاد ہے، اور بہت سے دوسرے احباب بھی آج تک اُن تأثرات کا ذکر کرتے ہیں جو اُس وقت پیدا ہوئے تھے جب میں نے ایک خطابِ جمعہ میں پوری سورۂ قیامہ کا درس کھڑے ہو کر خطیبانہ انداز میں دیا تھا ــــــ بہرحال اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اتوار کی صبح کے درس ہی کی مانند، جمعہ کا خطاب بھی پورے لاہور میں مشہور ہوگیا ــــــ اور اس کے لئے بھی دُور دُور سے لوگ آنے لگے۔ یہاں تک کہ مسجد اپنی وسعت کے باوجود تنگ پڑ گئی!

مسجد خضراء سمن آباد میں اس دعوتِ قرآنی کو جو پذیرائی حاصل ہوئی اس پر میں خود، اور میرے قریبی ساتھی سب کے سب، شدید حیران تھے ــــــ لیکن بالآخر اس کا راز ایک روز کھل ہی گیا ــــــ آج کے عقلیت زدہ بلکہ گزیدہ لوگ تو شاید اس بات پہ ناک بھوں چڑھائیں ــــــ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسجد خضراء کی اس اِستثنائی کیفیت کا اصل راز جو مجھے ایک دن اچانک معلوم

ل (حاشیہ صفحہ گذشتہ) جن میں سے کبھی کبھی ایک شخصیت مرحوم ضیاء الحق کی بھی ہوتی تھی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مجھے بہت بعد میں خود ضیاء الحق مرحوم ہی کے بتانے سے معلوم ہوا، ورنہ اس وقت چار پانچ صد افراد میں کون کون شامل ہیں اس کے جاننے کا کوئی ذریعہ میرے پاس موجود نہیں تھا۔

ہوا یہ تھا کہ اس کا سنگ بنیاد اُس مردِ درویش نے رکھا تھا جسے دنیا مولانا احمد علی لاہوریؒ کے نام سے جانتی ہے اور جس نے خود بھی پورے چالیس سال تک ارضِ لاہور پر درسِ قرآن کا سلسلہ جاری رکھا تھا۔ گویا معاملہ وہی تھا جو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے کہ ؎

"ہے مگر اس نقش میں رنگِ ثباتِ دوام   جس کو کیا ہو کسی مردِ خدا نے تمام"

۴۔ مسجدِ شُہداء افسوس ہے کہ خود ہمیں لوگوں کی سہولت، اور اس قرآنی دعوت و تحریک کی مصالح کے پیشِ نظر اس درس کو لاہور کے سب سے زیادہ مرکزی مقام یعنی مسجد شہداء ریگل چوک میں منتقل کرنا پڑا اس لئے کہ شہر سے سمن آباد جانے والے تمام راستے ٹریفک کی اصطلاح میں "بوتلوں کی گردنوں" (BOTTLE - NECKS) کی حیثیت رکھتے تھے جس سے لوگوں کو تکلیف ہوتی تھی! چنانچہ مسجد شہداء میں درس کی حاضری مسجد خضراء سے بھی بڑھ گئی ـــــ وہاں بھی راقم نے پہلے مطالعۂ قرآنِ حکیم کا منتخب نصاب ہی بیان کیا۔ بعدازاں جب وہاں قرآن حکیم کا آغاز سے سلسلہ وار درسِ قرآن شروع ہوا اور سورۂ فاتحہ زیرِ درس آئی اور ایک صاحبِ خیر کی جانب سے مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ ہدیۃً تقسیم ہوئی تو معلوم ہوا کہ درس میں سات سو افراد شریک تھے۔ (اس لئے کہ کتاب کے سات صد نسخے تقسیم ہوئے!)

لاہور کے اتوار کی صبح کے اس مرکزی درسِ قرآن کی یہ رونقیں ۱۹۷۷ء تک لگ بھگ دس سال تک روزافزوں رہیں ـــــ لیکن ۱۹۷۷ء میں مرحوم ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی حکومت کے خاتمے کے قریب اتوار کی بجائے جمعہ کی ہفتہ وار تعطیل کا اعلان کیا تو اس درس کی رونقیں رفتہ رفتہ ختم ہو گئیں۔ اس لئے کہ جمعہ کے دن خطبہ و نمازِ جمعہ کے ساتھ کسی اضافی پروگرام کا معاملہ ناقابلِ عمل ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ تو یہ بھی ہوا کہ جمعہ ہی کو صبح ۹ بجے سے گیارہ بجے تک درس کی نشست رکھی گئی ـــــ اور پھر وہیں سے شرکاءِ درس براہِ راست جمعہ کی نماز کے لئے روانہ ہوئے۔ پھر کچھ عرصہ یہ کوشش کی گئی کہ اُسی مسجد میں جہاں جمعہ کا خطاب ہوتا تھا پہلے باضابطہ چوکیاں لگا کر درس کی نشست ہوتی تھی اور پھر معمول کے مطابق خطابِ جمعہ اور خطبۂ مسنونہ و نماز۔ لیکن رفتہ رفتہ یہی محسوس ہوا کہ یہ ایک تکلّف ہے ـــــ چنانچہ خطابِ جمعہ ہی پر قناعت

کرنی پڑی ـــــ چنانچہ اب لاہور کے انوار کی صبح کے مرکزی درس قرآن کی صرف سہانی یادیں باقی رہ گئی ہیں۔

خطابِ جمعہ کے سلسلے میں بھی ۱۹۷۷ء کی قومی اتحاد کی تحریک کے دوران جس نے رفتہ رفتہ عوامی احساسات وجذبات کے اعتبار سے تحریک نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت اختیار کر لی تھی، چونکہ میں نے اسے ایک خالص سیاسی تحریک قرار دیا اور اس میں شمولیت اختیار نہ کی، مسجد خضراء میں کچھ صورتِ حال خراب ہوئی۔ اور بعض بداندیشوں کو ریشہ دوانی کا موقع مل گیا ـــــ چنانچہ خطاب جمعہ بھی اوّلاً پنجاب یونیورسٹی کے نیو کیمپس کی مسجد میں اور بالآخر مسجد دارالسلام، باغ جناح میں منتقل ہو گیا ـــــ یہاں یہ سلسلہ، بحمداللہ، ان سطور کی تحریر کے وقت تک بخیر و خوبی جاری ہے، آئندہ کا علم صرف اللہ تعالےٰ کو ہے:

"وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ!"

۵۔ مسجد دارالسلام باغِ جناح

مسجد خضراء کی طرح مسجد دارالسلام کا بھی ایک خاص تاریخی پس منظر ہے، جو قارئین کی دلچسپی کا موجب ہوگا۔ جس مقام پر اب یہ خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے، وہاں بہت پہلے سے صرف ایک کچا چبوترا (پنجابی 'تھڑا') ہوتا تھا۔ جہاں اکثر و بیشتر شام کو باغ کی سیر کے لیے آنیوالوں میں سے چند، اور اسی طرح صبح کی سیر کرنے والے بعض حضرات نماز ادا کر لیا کرتے تھے۔ راقم الحروف کو اب تک یاد ہے کہ ۵۲-۱۹۵۱ء میں فرسٹ اور سیکنڈ پرافیشنل ایم بی بی ایس کی تیاری کے لیے راقم بھی کبھی کبھی مسجد سے متصل 'گلستانِ فاطمہ' میں مطالعے کے لیے بیٹھتا تھا تو ظہر کی نماز اسی چبوترے پر ادا کرتا تھا ـــــ بعد میں معلوم ہوا کہ یہاں بھی اتوار کی صبح مولانا محمد علی قصوریؒ درس دیتے ہیں، ایک بار میں بھی کسی طرح وقت نکال کر شریک ہوا تو میرے اور مدرّس سمیت کل سات آدمی اس چبوترے کی زینت تھے ـــــ اس چبوترے پر باضابطہ مسجد کی تعمیر کرنل سلامت اللہ مرحوم کا وہ کارنامہ ہے جس کے لیے وہ ہمیشہ اس مسجد کے نمازیوں کے شکریے اور دعائے خیر کے مستحق رہیں گے۔ وہ خود ریٹائرڈ فوجی، اور نہایت دبنگ انسان تھے اور انہوں نے اُن تمام مغرب زدہ سول افسروں سے بھرپور

جنگ لڑی جو اس خوبصورت سیرگاہ کے حُسن کو مسجد کے وجود سے 'بدنما' بنانے پر تیار نہیں تھے۔ (چنانچہ ایک بار تو انہیں ایک کمشنر صاحب کے چہرے پر باضابطہ تھپڑ بھی رسید کرنا پڑا) بہرحال انہوں نے بڑی محنت و مشقت اور جانفشانی و صرفِ کثیر سے "ادارۂ دارالسّلام" جو ایک مسجد اور ایک لائبریری پر مشتمل ہے تعمیر کرایا ___ اور اس کے بعد ۷۷ء میں، مجھ سے کہنا شروع کیا کہ میں مسجد دارالسلام میں اپنے مشن کو جاری رکھوں۔ میں اب چونکہ مساجد کے بارے میں پھر بددل ہو گیا تھا لہٰذا معذرت کرتا رہا تا آنکہ ایک روز وہ ستّر پچھتّر سالہ، طویل القامت، اور قوی الجثّہ انسان جس کی آواز بھی بھاری اور دبنگ تھی۔ میرے مکان کے باہر کرسی بچھا کر انتہائی مسکینی کے انداز میں یہ کہہ کر بیٹھ گیا کہ میں یہاں سے اُس وقت تک نہیں اٹھوں گا جب تک تم میری فرمائش قبول نہیں کر دو گے ___! چار و ناچار میں نے حامی بھر لی ___ چنانچہ وہ دن اور آج کا دن مسجد دارُالسّلام، باغِ جناح، لاہور کا اجتماعِ جمعہ ___ و نمازِ عیدین پاکستان بھر میں تو مشہور ہیں ہی، بیرونِ ملک بھی جانے پہچانے جاتے ہیں ___ یہاں تک کہ ۸۲-۸۳ء کے دوران جبکہ مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین کی جانب سے میری شدید مخالفت، اور مرحوم ضیاء الحق صاحب کی مجلسِ شوریٰ سے میرے استعفےٰ کے باعث میرا نام بیرونِ ملک بھی بہت اچھل گیا تھا، مسجد دارالسّلام کے اجتماعِ جمعہ ___ کا ذکر اور اس کے فوٹو وال اسٹریٹ جرنل نیویارک، ٹورنٹو اسٹار کینیڈا، اور لاس انجلیز ٹائم کیلیفورنیا تک میں شائع ہوئے۔

۶۔ حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن لاہور میں حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن کہاں کہاں قائم رہے، اس کا کوئی ریکارڈ نہ تو محفوظ ہے، نہ ہی اس کی چنداں ضرورت ہے۔ یہ حلقے جیسے کہ آغاز میں عرض کیا گیا تھا۔ کرشن نگر سے شروع ہوئے اور پھر دل محمد روڈ، سانده، ڈھولنوال، پنجاب یونیورسٹی اسٹاف کالونی، انجنیئرنگ یونیورسٹی کے ہاسٹلز، ایم اے او کالج، میڈیکل کالج ہاسٹل کی مسجد، گڑھی شاہو میں حاجی عبدالواحد مرحوم کا مکان، اقبال کالونی، علّامہ اقبال روڈ کی مسجد، رفاہِ عام ہال شادباغ، برکت علی اسلامیہ ہال، مسجد بیرون شاہ عالمی گیٹ، آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگرس کے آفس واقع ۷۔ فرینڈز

کالونی، ملتان روڈ، اور نمعلوم کہاں کہاں قائم رہے ——— گویا کم از کم لاہور کی حد تک تو ؎

دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

والا معاملہ ہو گیا۔

ان میں سے بعض کے اجتماعات ہفتہ وار ہوتے تھے اور بعض کے پندرہ روزہ، چنانچہ جمعہ اور اتوار کے روز تو اکثر تین تین درس یا خطاب ہو جاتے تھے! پھر ان میں سے اکثر میں تو مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب مکمل بیان ہوا۔ بعض میں اس کی بھی تلخیص ہی بیان ہو پائی۔

بہر حال ان میں راقم کی جو توانائیاں صرف ہوئیں اُن کے ضمن میں راقم کو تو اُس وقت بھی پورا اطمینان تھا اور آج بھی کامل اطمینان ہی نہیں انشراح و انبساط ہے کہ ؎ "جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!" کے مصداق وہ توانائیاں اور قوتیں اللہ ہی کی عطا کردہ تھیں اور اگر اس تعالیٰ ہی کے کلام کے اِفشاء (حدیثِ مبارک میں الفاظ وارد ہوئے ہیں " وَافْشُوْهُ ") و اشاعت میں صرف ہو گئیں تو اِن کا اس سے بہتر اور کیا مصرف ممکن تھا! ——— البتہ بعض بزرگوں نے جو تنبیہ کی تھی اُس کی صداقت بہت جلد ظاہر ہو گئی ——— مثلاً شیخ سلطان احمد صاحب، کراچی نے انگریزی محاورے کے حوالے سے متنبّہ کیا تھا کہ آپ تو اپنی شمع صرف دونوں اطراف ہی سے نہیں بیچ میں سے بھی جلا رہے ہیں۔ ——— اور مولانا جعفر شاہ پھلواروی مرحوم نے فرمایا تھا کہ: "آپ کیا غضب کر رہے ہیں! ہم تو جب جمعہ پڑھایا کرتے تھے تو معمول یہ ہوتا تھا کہ پورا جمعرات کا دن یا آرام کرتے تھے یا جمعہ کے خطاب کے بارے میں سوچ بچار، اور پھر نہ صرف یہ کہ جمعے کے دن نہ صبح کوئی کام کرتے تھے نہ شام کو، بلکہ ہفتہ کا دن بھی کامل آرام کرتے تھے!" بہر حال میری اعتدال سے بڑھی ہوئی جانفشانی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۷۸ء میں صحت نے ایک دم جواب دے دیا، جس کی تفصیل میں اپنی ایک دوسری تحریر میں درج کر چکا ہوں ——— قصہ مختصر یہ کہ اواخر ۷۸ء میں مَیں اس دوراہے پر کھڑا تھا کہ "یا چناں کن یا چنیں" کے مصداق یا تو یہ دعوت و تحریکِ قرآنی جس حد تک آگے بڑھ آئی ہے اس سے بھی قدرے پسپائی اختیار کر کے اِسے

ء کر دیا جائے کہ بس اس سے زیادہ نہیں، یا پھر میڈیکل پریکٹس کو خیرباد کہہ کر "ہمہ تن اور ہمہ وقت" اسی میں لگ جایا جائے ـــــ اور الحمدللہ کہ فروری ۱۹۷۱ء میں حج کے موقع پر ارضِ مقدّس میں حتمی طور پر مؤخر الذکر فیصلہ کر کے راقم واپس آیا اور آتے ہی مطب بند کر دیا اور جملہ اوقات اور کل توانائیاں اسی ایک کام پر مرتکز کر دیں۔ تو مارچ ۱۹۷۱ء سے اس دعوت و تحریک کی رفتار پہلے سے ایک دم کئی گنا بڑھ گئی۔ چنانچہ ایک جانب تو اس کا لاہور سے باہر دائرۂ اثر جو اس وقت تک صرف 'میثاق' اور دوسری مطبوعات یا گاہے گاہے بیرونی اسفار تک محدود تھا ایک دم بہت وسعت اختیار کر گیا (اس کا تفصیلی ذکر اس دعوت و تحریک کے دورِ ثانی کی رُوداد کے ضمن میں آئے گا۔) اور دوسری جانب ۲۱ مارچ ۱۹۷۲ء کو 'مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' کا قیام عمل میں آگیا اور یہ دعوت و تحریک اپنے دوسرے دور میں داخل ہو گئی۔

۶۔ آغاز سے سلسلہ وار درسِ قرآن لاہور کے ان حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن اور مرکزی درس کے ضمن میں اس بات کا بھی ذکر ہو جائے تو اچھا ہے کہ مسجد خضراء میں راقم نے آغاز میں منتخب نصاب کا درس دیا تھا، اس کی تکمیل پر شروع سے مسلسل درسِ قرآن شروع ہوا۔ پھر اک بار کسی سبب سے قدرے وقفہ ہوا تو دوبارہ پھر ایک بار منتخب نصاب کا اعادہ کیا ـــ اور اس کے بعد مسلسل درس جاری کیا ـــ پھر مسجد شہداء میں بھی اوّلاً منتخب نصاب ہی بیان ہوا، اس کے بعد وہاں بھی آغاز سے مسلسل درس شروع کر دیا۔ اس طرح ایک زمانے میں لاہور میں ان دو مقامات پر مسلسل درس جاری تھا۔ (بعد میں مسجد خضراء کا درس مسجد دارالسّلام میں منتقل ہو گیا۔) لیکن افسوس کہ اتوار کی صبح کی نشست کے ختم ہو جانے کے باعث اس مسلسل درس کا سلسلہ بہت سُست رفتاری سے آگے بڑھ سکا۔ چنانچہ ان سطور کے تحریر کے وقت تک یہ درس اٹھائیسویں پارے کے اختتام تک پہنچ سکا ہے۔ مزید افسوس کی بات یہ کہ اگرچہ بہت سے حصّوں کے دروس ٹیپ میں محفوظ ہیں، اس کی مکمل اور مسلسل ریکارڈنگ محفوظ نہیں ہے۔ اور اگرچہ بہت سے احباب کا شدید تقاضہ ہے کہ ایک بار از سرِ نو سورۂ فاتحہ سے آغاز کر کے پورے قرآن حکیم کے درس کو ٹیپ میں محفوظ کر لیا جائے اور فی الوقت "قرآن

آڈیٹوریم"، کا جو عظیم منصوبہ زیرِ تکمیل ہے اس کی بنیاد میں بھی یہی خواہش یا آرزو کارفرما ہے۔ لیکن اپنی عمر اور صحت کی کیفیت کے پیشِ نظر اس کی امید بہت ہی کم ہے اِلَّآ اَنْ یَّشَاۗءَ اللّٰہ ـــــ اور ظاہر ہے کہ اس کی شان یقیناً یہ ہے کہ " وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰٓی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ" ـــــ اور ہمارا ایمان بھی یہ ہے کہ ہوگا وہی جو وہ چاہے گا! اور ہمارے شایانِ شان تو یہی ہے کہ اس کی رضا پر راضی رہیں ـــــ!

" لاہور کے حلقہ ہائے مطالعۂ قرآن" اور " اتوار کی صبح کے مرکزی درس" کا یہ بیان نامکمل رہے گا ـــ اگر دو چیزیں ہدیۂ قارئین نہ کر دی جائیں

۷۔ اعلان شائع شدہ 'میثاق' جنوری ۷۶ء | ایک 'میثاق' بابت جنوری ۱۹۷۶ء کے کور کے اندرونی جانب شائع شدہ اعلان کا عکس'

حسن اتفاق سے اس بار ہجری اور عیسوی سن تقریباً ساتھ شروع ہوئے ہیں
اور ان کے ساتھ ہی لاہور میں

ڈاکٹر اسرار احمد

کی قرآن مجید کے علم و حکمت کے نشر و اشاعت کی مساعی بھی آٹھ سال مکمل
کرکے نویں میں داخل ہوگئی ہیں اور اس وقت ان کے

درس قرآن کی مستقل ہفتہ وار نشستوں

کا پروگرام حسب ذیل ہے :

ـــــ (۱) ـــــ

ہر جمعرات کو بعد مغرب برکت علی اسلامیہ ہال میں

مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا نصف آخر زیر درس ہے

ـــــ (۲) ـــــ

ہر جمعہ کو قبل جمعہ (۱ بجے) جامع مسجد نیو یونیورسٹی کیمپس میں

مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب ابتداء سے زیر درس ہے

ـــــ (۳) ـــــ

ہر ہفتہ کو بعد عصر مسجد دارالسلام باغ جناح میں

قرآن حکیم سورۂ بنی اسرائیل سے آگے سلسلہ وار زیر درس ہے

(۳)

هر اتوار کو صبح ۹ بجے، مسجد شہداء ریگل چوک میں
قرآن حکیم ابتداء سے سلسلہ وار زیر درس ہے
(حال ہی میں تیسرے پارے کا آغاز ہوا ہے)

ع ''صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے''

المعلن
میاں محمد رشید، ناظم اعلیٰ، انجمن خدام القرآن لاہور

۸ - کچھ ذاتی، اور بعض ناقدین کے تأثرات دوسرے ان دروس کے بارے میں خود میرے اپنے اور دو دیگر حضرات کے تاثرات کے ذکر پر مشتمل میری تحریر جو دسمبر ۱۹۷۶ء کے 'میثاق' میں اس وقت شائع ہوئی تھی جب مولانا امین احسن اصلاحی سے میرے تعلقات کشیدہ ہو گئے تھے، اور ان کی جانب سے میری مخالفت کی مہم شدت کے ساتھ جاری تھی۔

'اور اس عاجز پر اللہ کا یہ بڑا فضل ہے......... اور سب سے بڑھ کر اطمینان بخش بات یہ ہے کہ اس دعوت کا آغاز نہ کسی مصنف کی تصانیف سے ہوا نہ کسی خطیب کے خطبات و تقاریر سے بلکہ ' اللہ ' درسِ قرآن ' سے ہوا ——— اور اللہ کی کتاب کی ترجمانی اور افہام و تفہیم میں بھی ' بفضلہ تعالیٰ وعونہٖ ' کسی ایک لکیر کی فقیری نہیں بلکہ ابوالکلام اور ابوالاعلیٰ کی دعوتِ جہاد کا عنصر بھی شامل ہے اور فراہیؒ اور اصلاحی کے تفکر و تدبر[1] کا جوہر بھی، اور شیخ الہندؒ اور شیخ الاسلامؒ کے احوالِ باطنی و نکاتِ روحانی کی چاشنی بھی موجود ہے اور ڈاکٹر اقبال کے جذبہ ملی کی حرارت اور ان کی اور ڈاکٹر رفیع الدین کی علوم جدیدہ اور فکر جدید پر قرآن حکیم کی روشنی میں جرح و تنقید کی کڑوی کونین بھی! ———

یہی وجہ ہے کہ ناقدین نے تو یہ کہا ہے کہ " آپ کے درس کے بارے میں یہ بات بہر حال ماننی پڑتی ہے کہ اس سے ہر شخص کچھ نہ کچھ ضرور لے کر اٹھتا ہے[2]۔ اور احباب کا کہنا یہ ہے کہ اس میں حد درجہ ' جامعیت ' ہوتی ہے ——— اگر ان کا خیال کسی بھی درجے میں صحیح ہے اور جامعیت سے کوئی حصہ راقم کو فی الواقع ملا ہے تو یہ سراسر فیض

ہے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے اُنسِ قلبی، مناسبتِ ذہنی اور کسی درجے میں نسبتِ روحانی کا۔ اور اگر ان کا خیال مطابقِ واقعہ نہیں تب بھی راقم ربّ العزّت سے خواستگار ہے کہ وہ اسے اُس جامعیتِ کُبریٰ میں سے قدرِ قلیل ہی سہی مگر کچھ نہ کچھ حصہ ضرور عطا فرما دے جس کا مظہرِ اتمّ تھے بارھویں صدی ہجری میں امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور چودھویں صدی ہجری میں شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ ـــــــ گویا بقول اقبالؔ ؎

"میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو میں ہوں خزف تو تُو مجھے گوہرِ شاہوار کر!"

اور ظاہر ہے کہ اللہ کی شانِ کریمی سے یہ بعید بھی نہیں۔ ع

"شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را"

ل؎ یہ بات اب تو یقیناً مولانا اصلاحی اور ان کے بعض شاگردوں کو بہت ناگوار ہوگی لیکن غالباً مولانا بھولے نہ ہوں گے جناب وحید الدین خاں صاحب، مؤلف 'تعبیر کی غلطی' اور مدیر مجلّہ 'الرّسالہ'، دہلی کی شہادت جو انہوں نے راقم کے بعض دروس میں شمولیت کے بعد مولانا کے سامنے دی تھی کہ راقم کے درس میں فکرِ فراہیؒ کے اثرات سموئے ہوئے ہیں اور اگر یہ یاد نہ ہو تو بھی مولانا کے اپنے وہ الفاظ تو مطبوعہ موجود ہیں جو انہوں نے "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" پر تقریظ میں تحریر فرمائے تھے کہ ـــــ "اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں۔ ہماری بہت سی عزیز امیدیں ان سے وابستہ ہیں" عجب اتفاق ہے کہ اسی کے لگ بھگ الفاظ مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مولانا حمید الدین فراہیؒ کی وفات پر تعزیتی مضمون میں ان کے تلامذہ کا ذکر کرتے ہوئے مولانا اصلاحی کے بارے میں لکھے تھے کہ "..... جن میں قابلِ ذکر مولوی امین احسن اصلاحی ہیں، ہماری آئندہ توقعات ان سے بہت کچھ وابستہ ہیں"۔

۲؎ یہ الفاظ ہیں مولانا اصلاحی کے شاگردِ رشید جناب خالد مسعود صاحب کے برادرِ نسبتی ڈاکٹر انوار احمد بگوی کے جو راقم کے کرم فرماؤں، اور شدید ناقدوں میں سے ہیں۔

۹ ۔ مولانا اصلاحی کا درس قرآن و حدیث

کرشن نگر میں جیسے ہی میرے حلقۂ درس شروع ہوئے، میں نے ایک ہفتہ وار درس قرآن و حدیث مولانا امین احسن اصلاحی کا بھی شروع کرا دیا۔ جو ابتداءً میرے ہی مکان پر ہر اتوار کی سہ پہر کو ہوتا تھا لیکن کچھ عرصے کے بعد بیرن روڈ کی مسجد میں منتقل ہو گیا۔ اس درس میں ابتداءً تو حاضری اچھی رہی لیکن جلد ہی محسوس ہوا کہ مولانا کے علمی مقام اور سامعین کی ذہنی سطح کے مابین فرق و تفاوت بہت زیادہ ہے لہٰذا لوگوں کی دلچسپی کم ہوتی چلی گئی۔ ادھر کچھ عرصہ کے بعد مولانا شدید علیل ہو گئے اور یہ علالت بھی کچھ اعصابی اور کچھ ذہنی تھی ـــــ لہٰذا یہ سلسلۂ درس بھی منقطع ہو گیا۔

★★★

حضرت مولینا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ
اپنی تالیف وحدتِ اُمت میں اگر
○ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور مولانا سیّد انور شاہ کاشمیریؒ
کے دو ایمان افروز اور سبق آموز واقعات کے سوا اور کچھ نہ لکھتے
تب بھی یہ کتاب موتیوں میں تُلنے کی مستحق ہوتی
وقت کے اہم ترین موضوع پر اس بہترین اور مفید ترین کتاب کو
اب مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور نے شایانِ شایان طور پر شائع کیا ہے۔
بڑے سائز کے ۵۲ صفحات ○ عمدہ دبیز کاغذ ○ دیدہ زیب کور
ہدیہ: ۴ روپے ○ علاوہ محصولڈاک

۳۔ دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور

اور سلسلۂ مطبوعات قرآن اکیڈمی

دعوت رجوع الی القرآن' اور 'تحریک تعلیم و تعلّم قرآن' کے دور اوّل کا تیسرا اہم سنگ میل 'دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور' اور اس کا سلسلۂ مطبوعات ہے۔

میرا یہ خالص نجی اشاعتی ادارہ اوائل ۱۹۶۶ء ہی میں قائم ہو گیا تھا۔ چنانچہ "تحریک جماعت اسلامی" کا پہلا ایڈیشن بھی اسی کے زیر اہتمام اپریل ۶۶ء میں شائع ہوا —— اور ماہنامہ 'میثاق' کا میرے زیر ادارت اجرا بھی اگست ۶۶ء میں اسی کے تحت ہوا۔

اس ادارے کے قیام کا "مقصد" جو 'میثاق' کے کور پر پہلے ٹائپ میں چھپتا رہا' بعد ازاں ستمبر ۶۸ء کے ایک خوشنما بلاک کی صورت میں مستقل طور پر شائع ہوتا رہا' اس اشاعت کے کور پر دیکھا جا سکتا ہے' جس سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ بحمد اللہ راقم کے اہداف بالکل آغاز ہی سے نہایت واضح تھے! اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ موجودہ زمانے میں ان مقاصد کے تحت قائم ہونے والے ادارے سے کسی 'مالی منفعت' کے حصول کا امکان کسی ایسے ہی شخص کے ذہن میں آ سکتا ہے جو عقل سے بالکل کورا ہو!

ایک اور اہم حقیقت واقعی بھی' جسے اس سے قبل راقم نے نجی گفتگوؤں میں تو بارہا بیان کیا ہے' تاہم آج تک تحریر میں نہیں آئی' آج مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسے ریکارڈ پر بھی لے آیا جائے۔ اور وہ یہ کہ لاہور منتقل ہونے کے فوراً بعد میں نے مولانا امین احسن اصلاحی کے سامنے یہ تجویز رکھی تھی کہ "اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن حکیم کے علم سے حصہ وافر عطا فرمایا ہے' اور مجھے کسی قدر تنظیمی صلاحیت سے نوازا ہے' ہم دونوں مل کر ایک ادارہ قائم کر سکتے ہیں جو قرآن حکیم کے علم و حکمت کی اشاعت کا کام کرے اور خاص طور پر قرآن کے نام پر سنت رسولؐ کے استخفاف اور مخالفت کا جو فتنہ غلام احمد پرویز کی تصانیف کے ذریعے پھیل رہا ہے اس کی بیخ کنی کریں۔

اس لیے کہ اب تک اِس فتنے کے جواب میں علماء کرام نے صرف مدافعانہ روش اختیار کی ہے یعنی حجیّتِ حدیث اور اہمیّتِ سنّت کے موضوع پر کتابیں شائع کی ہیں، جبکہ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اس فتنے پر جارحانہ حملہ کیا جائے اور اس کے مقابلے میں ایک جوابی قرآنی تحریک برپا کی جائے جو ع "عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام!" کے انداز میں پرویزیت کے گمراہ کُن اور نام نہاد 'فکرِ قرآنی' کا استیصال کرے ——— البتہ اس سلسلے میں معاملہ کی یہ بات واضح طور پر طے ہو جانی چاہیے کہ مجوّزہ ادارہ آپ کی اوسط معیار کے مطابق پوری مالی کفالت کا ذمّہ لے گا، لیکن پھر آپ کی جُملہ تصانیف اس ادارے کی ملکیّت ہوں گی ——— اگرچہ آپ پر تحریر اور تصنیف و تالیف کے ضمن میں کسی مقدار کی کوئی پابندی ہرگز نہیں ہوگی۔ بلکہ آپ آزاد ہوں گے کہ فطری رفتار سے اطمینان کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھیں!" ——— لیکن افسوس کہ مولانا نے میری اِس تجویز کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ "آپ میرے حالات و مسائل سے واقف نہیں ہیں!" اور مولانا کے اس انکار کے بعد ہی راقم نے مجبوراً اپنا نجی اشاعتی ادارہ قائم کیا۔ جس نے مولانا سے اُن کی تصانیف کا حق اشاعت نقد معاوضے پر حاصل کیا۔ چنانچہ 'میثاق' بابت نومبر ۶۸ء کے کور پر مولانا کی جانب سے یہ" اہم اعلان" جلی طور پر شائع ہوا کہ:

"میری تصنیفات میں سے اکثر کے پہلے ایڈیشن عرصہ سے ختم ہو چکے تھے۔ قدردانوں کا شدّت سے اصرار تھا کہ اُن کی طباعت اور اشاعت کا کوئی قابل اطمینان انتظام کیا جائے لیکن حالات مساعد نہ ہونے کی وجہ سے کوئی خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا تھا۔ اب میں نے ان کتابوں کی طباعت و اشاعت کا کام ڈاکٹر اسرار صاحب، مالک

دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ـ 1 (فون 69522)

کے سپرد کیا ہے، امید ہے کہ یہ انتظام قابل اطمینان ثابت ہوگا اور جلد یہ کتابیں چھپنی شروع ہو جائیں گی . . . . !"

یہاں اس بات کی مزید وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے کہ مندرجہ بالا الفاظ میں جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ واقعتہً اتنی سادہ نہیں تھی۔ صورت واقعی یہ تھی کہ مولانا کو جماعتِ اسلامی سے علیحدہ ہوئے دس سال بیت چکے تھے اور چونکہ اس عرصے میں کوئی ادارہ یا نئی ہیئتِ تنظیمی قائم نہیں ہو سکی تھی لہٰذا اُن کی تصانیف بالفعل "نَسْیًا مَنْسِیًّا" کی مصداق بن چکی تھیں ——— اور جب دار الاشاعت الاسلامیہ نے اُن کی طباعت کا سلسلہ شروع کیا تو مولانا نے فرطِ جذبات میں یہ الفاظ فرمائے تھے: "مَیں آپ کا ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے دوبارہ زندہ کر دیا!" بالخصوص جب تفسیر تدبّرِ قرآن کی جلد اوّل طبع ہوئی اور الفاظِ قرآنی: "وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ" کے مصداق نہایت اعلیٰ معیار پر اور حد درجہ آب و تاب کے ساتھ شائع ہوئی تب تو اُن کا تشکر و امتنان انتہا کو پہنچ گیا۔ (اس لیے کہ اُس کا مسوّدہ حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب کے پاس گویا 'رہن' تھا اور مَیں نے ہی اُسے واگذار کرایا تھا۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ مولانا نے اپنی ضروریات کے لیے وقتاً فوقتاً حکیم صاحب سے کچھ رقوم قرض لی تھیں، جن کی واپسی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہو رہی تھی، ایک بار حکیم صاحب ملاقات کیلئے آئے تو مولانا نے تفسیر کی جلد اوّل کا تصحیح شدہ مسوّدہ اُن کے سامنے رکھ دیا گویا زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں کہ ع "یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر۔ اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر!" چنانچہ حکیم صاحب اسے لے تو گئے لیکن ان کی 'وہابیت' اُس کی اشاعت میں حائل رہی اور وقت اسی طرح گزرتا جا رہا تھا کہ میری لاہور منتقلی ہو گئی اور میں نے حکیم صاحب کی رقم اُن کو ادا کر کے مسوّدہ حاصل کر لیا!

بہرحال 'دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور' نے چھ سالوں کے عرصے میں تفسیر تدبّرِ قرآن کی دو ضخیم جلدوں کے علاوہ مولانا اصلاحی کی دو معرکۃ الآرا تصانیف، جن سے مجھے آج تک عشق کی حد تک تعلقِ خاطر ہے، یعنی "دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار" اور "مبادیٔ تدبّرِ قرآن" شائع کیں۔ اور ان کے علاوہ دو چھوٹے کتابچے بھی شائع کیے یعنی "قرآن اور پردہ" اور "اقامتِ دین کے لیے انبیاءِ کرام کا طریقِ کار"۔

۱۹۷۲ء میں جیسے ہی انجمن خدّام القرآن قائم ہوئی، راقم نے 'دار الاشاعت' کی بساط لپیٹ دی، چنانچہ مولانا کی تصانیف کی اشاعت کے ضمن میں بھی ایک نیا معاہدہ انجمن اور مولانا کے مابین

طے پاگیا! اور یہ معاملہ ۱۹۷۶ء میں مولانا سے راقم کے ذاتی تعلقات کے انقطاع کے بعد بھی جاری رہا۔ تاآنکہ ۱۹۸۲ء میں یہ تعلق بھی منقطع ہوگیا۔ جس کے سبب کی وضاحت کے لیے 'حکمتِ قرآن' بابت جولائی و اگست ۱۹۸۲ء میں راقم کی یہ عبارت شائع ہوئی:

"مولانا امین احسن اصلاحی سے 'وصل و فصل' کی داستان کے آخر میں عرض کیا گیا تھا کہ:

"مولانا کے ساتھ تعلق کا جو تسمہ اب لگا رہ گیا ہے وہ صرف مصنّف اور ناشر کے تعلق کی نوعیت کا ہے اور وہ بھی راقم اور مولانا کے مابین نہیں بلکہ انجمن خدّام القرآن اور مولانا کے مابین ہے۔"

قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ اب یہ تعلق بھی ختم ہوچکا ہے اور انجمن نے اپنی ادا کردہ رقم واپس لے کر مولانا کو ان کی جملہ تصانیف کے حقوقِ اشاعت واپس لوٹا دیئے ہیں۔

سبب اس کا یہ ہوا کہ 'تدبر قرآن' کی جلد چہارم میں سورۂ نور کی تفسیر کے ضمن میں مولانا نے حدِ رجم کے بارے میں جو رائے ظاہر کی ہے اُس نے کم از کم اس مسئلے میں انہیں اہلِ سنّت کی صفوں سے نکال کر منکرینِ حدیث کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ جس وقت یہ جلد چھپی راقم نے ابھی اسے پڑھا نہیں تھا۔ بعد میں جب یہ بات راقم کے علم میں آئی تو سخت صدمہ ہوا کہ اس رائے کی اشاعت میں راقم الحروف اور اس کی قائم کردہ انجمن خدّام القرآن بھی شریک ہے۔ تاہم جو تیر کمان سے نکل چکا تھا اُس پر تو اب سوائے استغفار کے اور کچھ نہ کیا جا سکتا تھا۔ البتہ اس جلد کی دوبارہ اشاعت پر طبیعت کسی طور سے آمادہ نہ ہوئی ——— ادھر یہ بھی کسی طرح مناسب نہ تھا کہ ایک مصنّف کی تصنیف کی اشاعت صرف اس لیے رُک جائے کہ وہ اُس کے حقوقِ اشاعت کسی ادارے کے ہاتھ فروخت کر چکا ہے ———

بنابریں تفسیر 'تدبر قرآن' کی بقیہ چار جلدوں کے ناشر برادرم ماجد خاور صاحب نے جیسے ہی مولانا کی جملہ تصانیف کے حقوقِ اشاعت کی واپسی کے سلسلہ میں گفتگو کی، راقم نے فوری آمادگی کا اظہار کر دیا اور الحمد للہ کہ خاور صاحب کی مساعیٔ جمیلہ اور مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور کی مجلسِ منتظمہ کی منظوری سے یہ معاملہ بغیر کسی تلخی کے بہ حسن و جوہ طے پاگیا ——— الغرض مولانا سے اب یہ رشتہ بھی بالکلیہ منقطع ہوگیا ہے"!

اسرار احمد

بہرحال مولانا امین احسن اصلاحی اور اُن کی تصانیف کی طباعت و اشاعت کا ذکر تو اس وقت جملۂ معترضہ اور اصلاً اس تحریر کے تکملہ کے حکم میں ہے جو راقم نے دسمبر ۷۶ء میں مولانا سے اپنے "وصل و فصل" کی داستان کے ضمن میں لکھی تھی' فی الوقت تاریخ دعوتِ رجوع الی القرآن کے سلسلے میں اصل اہمیت راقم کے اُن چار کتابچوں کو حاصل ہے جو اس تحریک کے دورِ اوّل میں دارالاشاعت الاسلامیہ کے زیر اہتمام شائع ہوئے' اور جن میں سے دُو کو تو بلاشبہ اس دعوت و تحریک کے سنگ ہائے میل ہی نہیں، سنگِ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے یعنی :

۱- 'اسلام کی نشاۃِ ثانیہ : کرنے کا اصل کام' اور

۲- 'مسلمانوں پر قرآنِ مجید کے حقوق'۔

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ

یہ مختصر سی تحریر مئی ۶۷ء میں راقم کے قلم سے کسی انتہائی جذب و کیف کے عالم میں صادر ہو کر جون ۶۷ء کے 'میثاق' میں بطور 'تذکرہ و تبصرہ' شائع ہوئی تھی اور اس میں ایمان و اسلام کے اعتبار سے موجود الوقت احوال کا جائزہ لے کر "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ" کی پہلی شرطِ لازم یعنی "تجدیدِ ایمان" کے لیے قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کی اساس اور وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر ——— "ایک زبردست علمی تحریک" کی ضرورت کی نشاندہی کی گئی تھی۔ اور اس کے آغاز کے لیے ایک "قرآن اکیڈمی" کے قیام کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ بعد میں اسے کتابچے کی صورت میں شائع کیا گیا جس کو تعلیم و تعلّم قرآن کی فکری اساس اور مینی فسٹو (MANIFESTO) کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

اس تحریر پر سب سے پہلا ردِّ عمل' اور سب سے گہرا تاثر تو پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کی جانب سے ظاہر ہوا۔ چنانچہ انہوں نے زبانی تو یہ فرمایا کہ: "گزشتہ پچاس سال کے دوران جتنا دینی لٹریچر کم از کم اُردو زبان میں شائع ہوا ہے وہ سب میری نظر سے گزرا ہے لیکن میں نے اس معیار کی کوئی تحریر آج تک نہیں دیکھی"! ——— اور پھر شدتِ تاثر میں ایک مبسوط مقالہ سپردِ قلم کر دیا (جو اس اشاعت میں بھی شامل کیا جا رہا ہے) اور چونکہ اس مقالے نے میری پُرزور تائید اور کلّی تصویب و تحسین کے علاوہ بجائے خود "فکرِ مغرب کی اساس اور اس کا تاریخی پس منظر" کے موضوع پر ایک نہایت قیمتی دستاویز کی صورت اختیار کر لی تھی، لہٰذا "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ" کے

پہلے ایڈیشن میں افادۂ عام کی غرض سے راقم نے اسے بھی شامل کر لیا تھا ــــــ چنانچہ ان دونوں تحریروں پر جو مجموعی تبصرہ مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم کے قلم سے 'صدقِ جدید' (۷ فروری ۶۹ء) میں شائع ہوا، اُس کا اقتباس درج ذیل ہے:

" دونوں مقالے ماہ نامہ 'میثاق'، لاہور میں قسط وار نکل چکے ہیں دونوں کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ دونوں فکر انگیز ہیں۔ اور ایک طرف جوش و اخلاص، دوسری طرف دانش و باریک بینی کے مظہر ہیں۔ مرض کی تشخیص اور تدبیر علاج، دونوں میں دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے۔ تشخیص اور علاج اناڑیوں اور عطائیوں کا سا نہیں، رسالہ ہر پڑھے لکھے کے ہاتھ میں جانے کے قابل ہے۔"

مولانا عبدالماجد دریا بادی

اس کے علاوہ یوں تو اس کتابچے پر نہایت زوردار تبصرے ملک کے تقریباً سب ہی دینی اور علمی جرائد نے شائع کیے، لیکن پاکستان ٹائمز لاہور کے مضمون نگار جناب صفدر میر نے جو 'زینو' کے قلمی نام سے علمی اور ادبی تبصرے لکھا کرتے تھے، اس پر ایک طویل مقالہ سپردِ قلم کیا جو اخبار کے ادارتی صفحے پر شائع ہوا۔ اس کا ایک مختصر سا اقتباس بھی ریکارڈ پر لے آئے جانے کے قابل ہے:

".........Many official and unofficial, political and non-political agencies have recently been trying to issue calls and manifestoes for starting a renaissance movement in the thought of Islam. The most recent and by far the most interesting is a pamphlet by Dr. Israr Ahmed,..........This pamphlet, "Islam Ki Nisha'at-e-Sania", is a very important document and needs to be studied by all Muslims because it makes the attempt, rare in these days, to come to grips with the fundamental issue of our situation as Muslims in the modern world......"

'Cultural Notes' by 'ZENO'

The Pakistan Times, Lahore, Friday, June 14, 1968

ذاتی طور پر راقم کے لیے سب سے زیادہ اطمینان بخش اور حوصلہ افزا تبصرہ برادرِ عزیز ابصار احمد سلمہٗ کا تھا۔ جو ان ہی دنوں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے (فلسفہ) سے فرسٹ کلاس فرسٹ حیثیت میں فارغ ہو کر فلسفے کی مزید تحصیل کے لیے انگلستان گئے تھے۔ (میں نے تو انہیں ایم اے

فلسفہ کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم اے نفسیات کے لیے داخلہ دلوا کر ڈاکٹر محمد اجمل صاحب کی شاگردی میں دے دیا تھا۔ لیکن پھر اچانک گھر بیٹھے پی ایچ ڈی کے لیے وظیفہ مل جانے پر وہ انگلستان چلے گئے تھے) اس پر خاندان کے تقریباً سب ہی لوگ پریشان تھے کہ ایک تو انگلستان کا ماحول اور دوسرے فلسفے کی تعلیم!!! اللہ ہی خیر کرے!! تاہم مجھے ایک گونہ اطمینان حاصل تھا اس لیے کہ چار پانچ سال قبل منٹگمری میں جو اسلامی ہاسٹل میں نے قائم کیا تھا وہ اس میں مجھ سے مطالعۂ قرآن حکیم کے منتخب نصاب' کا درس لے چکے تھے اور اُن کے ذہن کو حکمت قرآنی سے مناسبت حاصل ہو چکی تھی۔ تاہم جب میں نے اُن کے ۴؍ دسمبر ۶۶ء کے خط میں یہ الفاظ پڑھے: "نومبر دسمبر ۶۶ء کا 'میثاق' مضامین کے تنوع کے اعتبار سے بہت اچھا تھا۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا مضمون (فکر مغرب کی اساس اور اس کا تاریخی پس منظر) خاصا معلومات افزا ہے اور تحریر میں بھی اُن کا زوردار انداز تکلّم جھلکتا ہے۔۔۔" تو رہی سہی تشویش بھی ختم ہو گئی ——— اور پھر جب ۲۵؍ دسمبر ۶۷ء کے خط میں انہوں نے لکھا: (شائع شدہ 'میثاق' فروری ۶۸ء)

"جون ۶۷ء کے پرچے کا 'تذکرہ و تبصرہ' بلا مبالغہ پانچ چھ مرتبہ پڑھا ہے اور ہر بار کوئی نہ کوئی نیا نکتہ ہاتھ لگا ہے"!

تب تو کامل اطمینان حاصل ہو گیا کہ 'ان شاء اللہ العزیز' انگلستان کا ماحول اور فلسفے کی تعلیم اُن کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ اور الحمد للہ کہ راقم کا یہ وثوق و اطمینان صحیح ثابت ہوا ——— اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللّٰهُ!!

'انجمن خدام القرآن' اور 'تنظیم اسلامی' کی تربیت گاہوں میں راقم الحروف نے اپنی اس مختصر تحریر کو بار بار وضاحت کے ساتھ بیان کیا تو تین تین گھنٹوں کی کم از کم دو نشستوں میں بات مکمل ہو سکی اور رفقاء و احباب نے اس تاثر کا شدّت اور اصرار کے ساتھ اظہار کیا کہ اس کی شرح 'لکھی جانی چاہیے۔ اب یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کب اور کون اس خدمت کو سرانجام دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عزیزم ابصار احمد سلمہٗ ہی جنہوں نے اس کا انگریزی میں نہایت خوبصورت ترجمہ کیا ہے کبھی اس اہم خدمت کا بیڑا بھی اُٹھا لیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو الفاظ قرآنی" وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا

(الفتح: ۲۶) کے مصداق اس کے حقدار ہی نہیں ذمّہ دار بھی ہیں' اور فلسفے میں ایم فل (ریڈنگ) اور پی ایچ ڈی (لندن) کی ڈگریاں رکھنے کے ناطے یقیناً اہل بھی ہیں!

بہرحال راقم کو یقین ہے کہ ان شاء اللہ العزیز' یہ کتابچہ علامہ اقبال مرحوم کی "فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید" کے ساتھ "حکمتِ ایمانی کی تدوینِ جدید" کی ضرورت واہمیّت کو اجاگر کرنے والے ضمیمے کی حیثیّت سے تادیر زندہ رہے گا ــــــــــــــــــــ واللہ اعلم!

۲۔ قرآن مجید کے حقوق

'دعوتِ رجوع الی القرآن' کے ضمن میں فکری اعتبار سے جو حیثیت "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" کی ہے' بحمداللہ دینی اعتبار سے وہی مرتبہ ومقام "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا ہے۔

اِس کا اساسی تانا بانا مسجد خضرا سمن آباد میں میرے دو اوّلین خطاباتِ جمعہ (جنوری ۶۸ء) میں تیار ہوا تھا۔ اس کے بعد فروری ہی میں میں نے اسی موضوع پر متعدد مقامات پر (قصور' صادق آباد' جھنگ وغیرہ) تقاریر کیں' اور چونکہ ع "آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں" کے مصداق میرے ذہن میں خیالات کا ترشّح تقریروں کے دَوران ہی ہوتا ہے' لہٰذا رفتہ رفتہ اس کتابچے کے مضامین بھی پختہ تر اور مکمل تر ہوتے گئے ــــــــ تاآنکہ وسط ۱۹۷۰ء میں جبکہ میں شدید علالت کی بنا پر 'آرام' کی غرض سے جوہر آباد بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کے یہاں پندرہ روز کے لیے مقیم تھا' مَیں نے اِسے موجودہ کتابی صورت میں مرتّب کر دیا۔

اللہ تعالےٰ نے اس' بقول پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم" بقامت کہتر و بقیمت بہتر" کتابچے کو عوام وخواص دونوں میں جو قبولِ عام عطا فرمایا اس کا تفصیلی بیان ضروری بھی نہیں اور اس میں کچھ زیادہ ہی 'خود ستائی' کا اندیشہ ہے لہٰذا صرف چند اشارات پر اکتفا کی جارہی ہے:

۱۔ اب تک ہمارے اپنے اہتمام میں اس کے آٹھ ایڈیشن نو برائے فروخت طبع ہو چکے ہیں جن کے دَوران کل ایک لاکھ چھبّیس ہزار نسخے شائع ہوئے۔ مزید برآں ایک سال ماہ رمضان مبارک میں اس کا ایک سستا ایڈیشن مفت تقسیم کے لیے شائع کیا گیا تھا اور وہ بھی ایک لاکھ کی تعداد میں

طبع ہوا تھا ــــــ اس کے علاوہ بہت سے اداروں (مثلاً کراچی کے صدّیقی ٹرسٹ اور پاکستان نیشنل آئلز کی سیرت کمیٹی وغیرہ) نے اسے بڑی تعداد میں اپنے طور پر شائع کیا۔

۲۔ اس پر مولانا امین احسن اصلاحی اور پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم نے نہایت اعلیٰ تقاریظ لکھیں (ان کی تفصیل کی اس لیے کوئی حاجت نہیں ہے کہ وہ کتابچے کے آخر میں مستقلاً شائع ہوتی ہیں!)

۳۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی ماڈل ٹاؤن لاہور کی کسی کوٹھی میں ہفتہ وار مجلس سے خطاب فرمایا کرتے تھے۔ اس کتابچے کی اشاعت کے بعد انہوں نے اجتماعات میں ان ہی پانچ حقوق کو سلسلہ وار بیان کیا ــــــ اور پھر سامعین کا تأثر ان الفاظ میں نقل کیا کہ "آپ آج تک تو اِدھر اُدھر ہی کی باتیں کرتے رہے تھے، مفید دینی تقریریں تو آپ نے اب کی ہیں!"

۴۔ اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر محمد ابراہیم مرحوم نے جو اُن ہی دنوں ہیلی کالج آف کامرس کے شعبۂ انگریزی کی صدارت سے فارغ ہوئے تھے، انتہائی محنت اور ذوق وشوق کے ساتھ کیا پھر سکرپٹ کو خود ہی ٹائپ بھی کیا اور پریس میں ٹائپ SETTING بھی خود اپنی نگرانی میں کرائی اور دو تین بار پروف بھی خود پڑھے! (اور یہ سارا کام کلیتًہ 'از خود' اور بغیر کسی معاوضے کے کیا!)

۵۔ اسی طرح اس کا فارسی ترجمہ بھی ڈاکٹر محمد بشیر حسین مرحوم، سابق صدر شعبۂ فارسی جامعہ پنجاب نے بالکل اسی شان کے ساتھ بلا فرمائش از خود و بلا مُزد کیا۔ (پروفیسر ابراہیم صاحب سے تو کسی حد تک میری ذاتی شناسائی تھی اس لیے کہ وہ سمن آباد کے درس کے مستقل شرکاء میں سے تھے! ڈاکٹر بشیر صاحب سے تو میرا سرے سے کوئی تعارف ہی نہیں تھا!)

۶۔ اسی طرح اس کا عربی ترجمہ برادرم صہیب حسن خلف الرشید مولانا عبد الغفار حسن نے بھی از خود کیا ــــــ اور اس کا سبب یہ بیان کیا کہ "جب میں نے اس کتابچے کو پڑھا اور اس کا گہرا اثر اپنے دل پر محسوس کیا اس پر مجھے خیال آیا کہ اگر اس کتاب کا اثر ایک 'مولوی' کے دل پر بھی ہو سکتا ہے تو عام لوگوں کے حق میں تو یہ یقیناً کیمیا ثابت ہوگا!" ان کا ترجمہ پہلے ندوۃ العلماء، لکھنؤ کے ماہوار مجلہ "البعث الاسلامی" میں پانچ اقساط میں شائع ہوا۔ بعد ازاں "جمعیۃ خدام القرآن المرکزیہ بلاہور" نے اسے کتابچے کی صورت میں طبع کیا۔

۷۔ حال ہی میں اس کا سندھی ترجمہ بھی "انجمن خدام القرآن سندھ، کراچی" نے شائع کیا ہے۔

۸۔ ایک افغان مہاجر عالم دین نے اس کا پشتو ترجمہ بھی مکمل کر کے از خود چھپوانے کے لیے کتابت کی غرض سے ایک کاتب صاحب کو دے دیا تھا۔ افسوس کہ اس کے بعد وہ کاتب صاحب لاپتہ ہو گئے! اللہ کرے کہ زندہ ہوں، اور اُن عالم دین کی محنت رائیگاں نہ جائے۔!

۹۔ آخری اور اہم ترین بات یہ کہ اس کتابچے کو راقم الحروف نے نومبر ۱۹۷۰ء میں مدینہ منورہ میں مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ پیش کیا کہ وہ اسے ایک نظر دیکھ لیں اور اگر کوئی غلطی محسوس کریں تو اصلاح فرما دیں۔ اس لیے کہ میں اسے بڑی تعداد میں شائع کرنا چاہتا ہوں، تو الحمد للہ کہ مولاناؒ نے مسجد نبویؐ میں اعتکاف کی حالت میں اس کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا اور صرف ایک مقام پر اصلاح تجویز فرمائی جو اگلے ایڈیشن میں کر دی گئی ——— اس طرح بحمد اللہ اس کتابچے کو مولانا بنوریؒ کی کلّی تصدیق و تصویب کی سعادت حاصل ہے!

بہرحال راقم کے نزدیک اُس کا سب سے بڑا توشۂ آخرت یہ کتابچہ ہے، اس لیے کہ ظاہر ہے کہ وہ ان لوگوں میں تو شامل نہیں ہے جو "من نیز حاضر می شوم تفسیر قرآں در بغل" پر تکیہ کر سکیں۔ تاہم راقم کو یقین ہے کہ اللہ کے بہت سے بندوں کو اس کتابچے کے ذریعے تذکّر بالقرآن، اور تدبّرِ قرآن کی ترغیب حاصل ہوئی ہے ——— اور اِن شاء اللہ العزیز آئندہ بھی ہوتی رہے گی ——— فَلَہُ الحَمدُ وَالمِنَّۃُ

ان دو اساسی کتابچوں کے علاوہ دعوتِ رجوع الی القرآن کے دورِ اوّل میں راقم کے دو اور کتابچے بھی شائع ہوئے، اور ان کے بھی اب تک متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں! جن کا سرسری سا تذکرہ درج ذیل ہے:

۳۔ دعوت اِلیَ اللہ

اس موضوع پر ایک تقریر راقم نے یکم اکتوبر ۱۹۶۷ء کو باغ عام خاص ملتان میں جامعہ محمدیہ کے سالانہ جلسے میں کی تھی جو بعد ازاں "دعوت اِلیَ اللہ کی ضرورت و اہمیت اور اس کے اصول و مبادی" کے عنوان سے اوّلاً 'میثاق' میں اور بعد

ازاں کتابچے کی صورت میں شائع ہوئی۔

۴۔ قرآن اور امنِ عالم | اسی طرح اس عنوان سے بھی ایک تقریر راقم الحروف نے ستمبر ۱۹۶۸ء میں مجلس طلبائے اسلام کے پہلے تربیتی اجتماع کے موقع پر بنات الاسلام اکیڈمی، گلبرگ، لائلپور (حال فیصل آباد) میں کی تھی۔ اس کے بھی چار ایڈیشن اردو میں، اور متعدد ایڈیشن انگریزی میں طبع ہو چکے ہیں۔

حرفِ آخر | مولانا اصلاحی کی تفسیر اور تصانیف اور خود اپنی کتاب اور کتابچوں کے علاوہ اس دورِ اوّل میں راقم نے ایک نہایت گرانقدر تالیف ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی بھی شائع کی یعنی: "اسلامی تحقیق کا مفہوم مدّعا اور طریق کار: ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام"! اور چونکہ راقم کو یقین ہے کہ مستقبل کی اعلیٰ سطحی اسلامی علمی تحریک کے شعبۂ تحقیق کے لیے یہ کتابچہ اساسی رہنمائی کا کام دے گا لہٰذا اس کے بارے میں مولانا اصلاحی اور ڈاکٹر سید عبداللہ کی آراء اور جو مفصل اور گرانقدر تبصرہ "الیقین انٹرنیشنل" کراچی نے کیا اور جو اگست ۶۹ء کے 'میثاق' کے کور پر شائع ہوا، اُن دونوں کے عکس شاملِ اشاعت کیے جا رہے ہیں!

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ

(تاکہ حق کو حق ثابت کردے اور باطل کو باطل ۔ سورۃ انفال)

سلامی تحقیق کا مفہوم مدّعا اور طریقِ کار

محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب کے اس مقالے سے میرے دل کو سب سے زیادہ اطمینان حاصل ہوا ہے۔ میرے نزدیک اسلامی ریسرچ کا صحیح تصور یہی ہے جو اس مقالے میں پیش کیا گیا ہے ...

مولانا امین احسن اصلاحی

... اس موضوع پر میری نظر سے اس سے زیادہ تشفی بخش تحریر اب تک نہیں گزری ... اسلامی موضوعات پر کام کرنے والوں کے لیے یہ کتابچہ ایک دستور العمل کا درجہ رکھتا ہے

ڈاکٹر سید عبداللہ، سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور